زبان اور لباس کا اثر اخلاق ومعاشرت پر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ
بانی جامعہ دارالعلوم کراچی

جس طرح جمادات ونباتات اور جڑی بوٹیوں میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار ودیعت رکھے ہیں جن میں سے طبع انسانی کے لیے مفید اور بعض مضر سمجھے جاتے ہیں اور دوا وعلاج اور پرہیز میں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے اسی طرح انسانی افعال واعمال میں بھی ہر عمل کے کچھ خواص ہیں جو قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں اور بعض مشاہدات وتجارب سے ثابت ہیں۔

زبان اور لباس اسی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں کہ ان میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار رکھے ہیں اور اکثر احکام اسلامیہ میں ان کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ صدیوں کے تجربہ اور ہزاروں مشاہدات سے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ انسان جس قوم کی زبان اور لباس اختیار کرتا ہے اس کے خیالات اور اخلاق نہایت سرعت سے اس کے قلب ودماغ پر چھا جاتے ہیں، اس دقیق ربط کی حقیقت کو آپ سمجھ سکیں یا نہ سمجھیں، مگر نتائج اس کے اس قدر کھلے ہوئے ہیں کہ ان کا انکار نہیں ہوسکتا۔

ہمارے اسلاف اس گر سے واقف تھے۔ انہوں نے جب جزیرۃ العرب سے علم ہدایت لے کر عجم کی طرف قدم نکالا تو ہر جگہ اس کا خیال رکھا اور جس طرح اسلام کی اشاعت وتبلیغ کو تمام عالم انسان پر عام کرنے کی کوشش کی اسی طرح عربی زبان اور عرب کی وضع ولباس کو بھی عام کرنے کی سعی فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں۔ ایک طرف اگر دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا تو دوسری طرف طبقات وممالک کی زبانیں بدل ڈالیں۔ اس سے پہلے مصر میں قبطی زبان، شام میں رومی زبان، عراق وخراسان میں فارسی، بلاد یورپ میں بَربَری زبانیں رائج تھیں۔ اسلام ان بلاد میں پہنچا تو تھوڑے عرصہ میں ان ممالک کی زبانیں اس طرح بدل گئیں کہ لوگ مادری زبانوں کو بالکل بھول گئے اور ملکی زبانوں کا نام ونشان نہ رہا۔

عربی زبان کے اس عموم وشیوع میں خود اس زبان کی شیرینی اور وسعت وسہولت کو بھی بڑا دخل ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرات صحابہ وتابعین کی حکمت عملی اور اہتمام خاص کے بغیر کایا پلٹ ہو جانا ممکن نہ تھا۔

اسی حکمت عملی کا ایک جز یہ تھا کہ یہ اساطین امت جس خطہ ملک میں اترے جب خطبہ دیا تو عربی زبان میں دیا، حالانکہ مخاطب اس زبان سے بالکل ناواقف تھے، اور یہ حضرات اس پر قادر تھے کہ خود یا کسی ترجمان کے ذریعہ خطبہ کو ملکی زبان میں مخاطبین تک پہنچا دیں، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور ضروری احکام کو مخاطبین کی ملکی زبان میں پہنچا دینے کے لیے دوسرے انتظامات کر کے خطبوں کو صرف عربی زبان میں منحصر رکھا تا کہ مخاطب کو خود اس طرف رغبت ہو کہ امام وامیر کی تقریر کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی زبان سے آشنا ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسلامی اعتدال کی ایک مثال:..... لیکن اس حکمت عملی میں بھی مسلمانوں نے اپنے امتیازی نشان یعنی اعتدال اور حفاظت حدود کا ایسا خیال رکھا ہے کہ دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں مل سکی۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عربی زبان عام ہو جائے، لیکن اس مقصد کو ترغیب کی حد سے بڑھنے نہیں دیا کہ جبر واکراہ کی نوبت آجائے اور اقوام عالم کی کسی ایسی ضرورت کو عربی زبان پر موقوف نہیں رکھا جس کے بغیر گزارہ مشکل ہو۔

خطبہ کا سمجھنا کوئی فرض وواجب نہیں کہ اس کے نہ سمجھنے سے انسان گناہ گار ہو، البتہ ترغیب کا ایک بہترین اور معتدل ذریعہ تھا کہ طبعی طور پر مخاطب کو اس کی رغبت ہوتی ہے کہ امیر کی تقریر کو سمجھے۔

بخلاف اقوام انصاری کے، جب ان کو اس گُر کی خبر ہوئی اور انہوں نے اپنی زبان کو عام کرنے کی ناکام سعی شروع کی تو اس مقصد کے لیے خلق اللہ کی زندگی تنگ کر دی، انہوں نے سفر وحضر اور معاملات بیع وشراء رزق وروزی کو اپنی زبان جاننے پر موقوف کر دیا۔ ان کی ازلی محرومی اور زبان کی تنگی وسختی اگر درمیان میں نہ ہوتی تو بلاشبہ آج دنیا میں انگریزی کے سوا دوسری زبان کا نام ونشان نہ رہا ہوتا۔

یہ حق تعالیٰ نے اسلام اور اسلامی زبان ہی کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ جس ملک میں داخل ہوئی ساری زبانیں منسوخ کر کے سب کی جگہ لے لی۔ یورپ کا مشہور ڈاکٹر گستاولی بان، زبان عربی کی اس ہمہ گیری پر حیران ہو کر لکھتا ہے:

> ''زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہب عرب کی نسبت کہا ہے یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، قبطی، یونانی، بَربَری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی، اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں

ہوتی تھیں۔ایران کے کل علوم ومذاہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں۔ایشیاء کے اس خطہ میں زبان عربی کووہی حالت ہے جوازمنہ متوسطہ میں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی۔ترکوں نے بھی جنہوں نے عربوں کے ملک فتح کیے انہی کی طرز تحریر اختیار کرلی اوراس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کوبخوبی سمجھ لیتے ہیں۔"

یورپ کی لاطینی اقوام کی ایک مثال البتہ ہے، جہاں زبان عربی نے ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لی، لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلط کے بیّن آثار چھوڑے ہیں۔موسیوڈوزی اور موسیوانگلمین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جوعربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرلی ہے،فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑااثر چھوڑا ہے۔موسیوسدیو نہایت درست لکھتے ہیں کہ ادورن اورشوژمین کے بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئے ہیں اوران کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنہوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے ہیں کہ فرانس میں عربوں کے قیام کااثر نہ محاورات پر رہا ہے نہ زبان پر۔

جوفہرست اوپر لکھی جاچکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے۔نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں۔اس فرانسیسی لغوی کی لغوبیانی کوتو خود یورپ کے فاضل گستادلی بان نے واضح کرکے محتاج تردید نہیں چھوڑا ہے لیکن ہم اتنا اور بتادینا چاہتے ہیں کہ یہ مسکین یا تو یورپ کی گزشتہ تاریخ سے بالکل ناواقف ہے یا محض قومی تعصب کی وجہ سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ بلاد یورپ میں دخول اسلام کونصف صدی گزرنے نہ پائی تھی کہ وہاں کے عام سکّان وباشندگان نے بَربَری اور لاطینی زبان کوفن کردیا کہ ان ممالک میں نصاریٰ کے پادری اس پر مجبور ہوگئے کہ اپنے مذہب کی نماز و عبادت کا ترجمہ عربی زبان میں کرکے مسیحی قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ اس کو سمجھ سکیں۔

الغرض امراء اسلام نے اشاعت زبان کے اہم مقصد کے ساتھ رعایا کی سہولت وآسانی کا بھی خاص اہتمام رکھا ہے،اقوام یورپ کی طرح دنیا کواس پر مجبور نہیں کیا۔بایں ہمہ جس طرح اسلام ناسخ الادیان مسلم تھا اسی طرح لسانِ عرب ناسخ اَلسنہ ہوگئی۔

آپ غور کیجئے کہ اسلاف اسلام نے عربی زبان کی اشاعت میں یہ کوشش کیوں کی؟اس کا ایک سیاسی مقصد تو ظاہر اور عام ہے کہ حاکم ومحکوم اور سلطان اور رعیت میں ارتباط وانبساط بڑھے۔دوسرا مقصد بھی ان حضرات کا مطمح نظر تھا کہ جب قرآنی زبان لوگوں میں رائج ہوگی تو قرآنی اخلاق ومعاشرت بھی ان میں باآسانی پیدا ہوسکیں گے چنانچہ عربی زبان کے عموم کے ساتھ ہی یہ دونوں مقصد حاصل تھے۔

آج کل یورپ کو اپنی ہمہ دانی پر ناز ہے وہ اپنے آپ کو تہذیب وتمدّن اور سیاست کا مالک سمجھتا ہے اسی کی ایک مثال پر نظر ڈالیے۔

ممالک یورپ میں اسلامی زبان اور اسلامی تمدّن ومعاشرت:.......اسلام جب بلاد مغرب میں فاتحانہ داخل ہوا اور اندلس وپرتگال اس کا مستقر ہوگئے تو نصف صدی نہ گزری تھی کہ یہاں کی بَربَری زبان بھی رخصت ہوئی، یہ ملک ایک خطہ عرب بن گیا اور نہ صرف زبان بلکہ یورپ کی ساری اقوام وضع قطع اور تمدّن ومعاشرت میں مسلمانوں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھنے لگیں اور یہی نہیں بلکہ آس پاس کے دوسرے ممالک فرانس وغیرہ کے اس محبوبانہ اثر سے خالی نہ رہے۔

شیخ محمد کردعلی مصری جو مصر میں مجمع علمی کے صدر ہیں، اپنے سفرنامہ اندلس میں، اندلس وپرتگال کے چشم دید واقعات اور اس کے ماضی وحال کا موازنہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نہ فقط وہ ممالکِ یورپ جو اسلام کے زیرنگین آچکے تھے، اسلامی زبان واسلامی معاشرت کے دلدادہ ہوگئے، بلکہ گرد وپیش کے ممالک یورپ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جلالقہ، لیوتیون، نارفاریون کے سمجھدار لوگ عربی زبان سیکھتے تھے، وہ مسلمانوں کے تمدّن ومعاشرت پر ایسے فریفتہ تھے کہ اپنے مذہبی اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں کی وضع قطع، مسلمانوں کی عادات وخصال مسلمانوں کی طرح اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھنے کے عادی ہوگئے تھے۔''

آج کے مسلمانوں کی حالت......افسوس کہ ہم کیا سے کیا ہوگئے، کہاں سے کہاں جا پہنچے، سلف کی اس ناخلف اولاد نے کس طرح ان کی عزت کے نشانات کو مٹایا اور غیروں کی غلامی کا طوق اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن میں ڈال لیا، ان کی قائم کی ہوئی بنیادوں کی ایک ایک اینٹ اور لگائے ہوئے چمن کا ایک ایک درخت نکال دیا۔ صد افسوس کہ جو قومیں ہماری نقالی کو (بجا طور پر) فخر سمجھتی تھیں آج ہم (بے جا طور پر) ان کے نقال بن گئے، وضع قطع ان کی اختیار کرلی، زبان ان کی لے لی، بے ضرورت بھی انگریزی لفظ بولنے کو فخر سمجھنے لگے۔ صحیح لفظ بھی نہ آتا ہو تو غلط ہی سہی، صاحب بہادر کی مشابہت کا تو ثواب مل ہی جاتا ہے۔ عورتوں کو پردے سے نکالا اور مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، إنّا للّٰہ وإنّا إلیہ المشتکیٰ، ان حالات کے استحضار نے یہ چند اشعار بے ساختہ زبان پر جاری کردیے۔

نام لیتے ہیں ہم بزرگوں کا! — اور ہر بات میں ہیں ان کے خلاف
ان کے اخلاق کا مٹایا نام — ہاتھ سے کھو دیے وہ سب اوصاف
شکل وصورت میں ان کی ضد ہیں ہم — جانشینی کی اس پر لاف وگراف
سب کی نظروں میں تم ہو ذلیل — تو خطا کیا ہے پھر قصور معاف
تم ہی انصاف سے ذرا کہہ دو — انہی اسلاف کے ہو تم اخلاف

نام کے جن سے تھا جہاں روشن　　جن کے عالم پہ عام تھے الطاف
نقل کو جن کی جانتے تھے شرف　　اہلِ عالم کے خود پسند اشراف
آج بھی ذلتوں سے جائے پناہ　　ہے اگر کچھ تو اسوہِ اسلاف

ہم نے اول صرف ان کی زبان اور وضع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان واسلام کا تعلق قلب سے ہے، ظاہری وضع وتراش کو اس میں کیا دخل، لیکن تجربہ نے بتلادیا کہ یہی ایک بجلی کی رو تھی جو قلب ودماغ پر چھا گئی اور انگریزیت ونصرانیت دلوں کی تہہ میں بیٹھ گئی۔

ایک انگریزی جوتے کی آفت.....ایک شخص ابتداء میں صرف انگریزی جوتا استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہم انگریز نہیں بن گئے، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دیکھ لے گا کہ یہ انگریزی جوتا اس کے بدن سے اسلامی پاجامہ اتروا کر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننے پر مجبور کردے گا۔ پھر یہ پاجامہ اس کا اسلامی کرتا اور عبا اتروائے گا، اور جب اعضاء وجوارح اور بدن انسانی کی پارلیمنٹ کے سب ارکان مغربی رنگ کے ہوگئے تو اس کے سلطان سرتاج کو مجبور ہو کر ان کا تابع بننا پڑے گا اور انگریزی ٹوپی اسلامی عمامہ کی جگہ لے لے گی اور جب خود گھڑے گھڑائے صاحب بہادر بن گئے تو سمجھ لیجئے کہ اب گھر کے قدیم اصول ورواج کی خیر نہیں، کیوں کہ یہ کسے کسائے صاحب بہادر کسی مسند پر نہیں بیٹھ سکتے، دستر خوان پر کھانا تناول نہیں فرما سکتے۔ نماز کے لیے بار بار وضو نہیں کرسکتے، رکوع وسجدہ نہیں کرسکتے۔ غرض گھر کا پرانا فرنیچر رخصت، پرانی وضع قطع رخصت، رسم ورواج رخصت، طہارت وعبادات، رخصت۔ دیکھ لیا کہ ایک انگریزی جوتے کی آفت کہاں تک پہنچی اور کس طرح اس نے تمہارے دین ودنیا کو تباہ کرڈالا۔

حقیقت میں گناہوں کا ایک سلسلہ ہے جب انسان ایک گناہ اختیار کرتا ہے تو دوسرا خود بخود اس کے ساتھ لگا لیتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق مل جاتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

انگریز کے عادات وخصال ہماری رگ وپے میں.....ہم آج انگریزوں کے مظالم اور تکبر آمیز معاملات سے نالاں ہیں اور ان کو برا سمجھتے ہیں اور کہتے بھی ہیں، مخالفت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن افسوس کہ انگریز جن عادات وخصال اور اخلاق ومعاشرت کی وجہ سے قابل نفرت ہیں وہ ہمارے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے تو اب لوگ سرگرم کار نظر آتے ہیں لیکن انگریزیت کو قلب ودماغ اور اس کی غلامی کے طوق وزنجیر کو اپنے دست وگلو سے نکالنے کے لیے کوئی تیار نظر نہیں آتا، حالانکہ وہ غیر اختیاری ہے اور یہ اختیاری ہیں اس کے راستہ میں بہت سی مشکلات یہاں کچھ نہیں۔

زبان کے اثرات.....اگر حقیقت میں ہمیں نصاریٰ اور انگریزوں سے نفرت ہے تو ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ

آج ہی ان کی وضع قطع اور طرز معاشرت کو یکلخت چھوڑ دیں اور زبان کا استعمال بھی بقدر ضرورت و مجبوری کریں اور بغیر شدید ضرورت کے انگریزی الفاظ و زبان کا استعمال نہ کریں اور جن مواقع میں انگریزوں کی پالیسی نے ہمیں انگریزی کے لیے مجبور کر رکھا ہے ان میں بھی اس کی کوشش کریں کہ کوئی ہندوستانی اس پر مجبور نہ رہے، ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور تمام کاروبار ہماری ملکی زبان میں ہوں، ہندوستانی عدالتوں کے فیصلے ملکی زبان میں ہوں تاکہ ہمارے قلوب و دماغ نصاریٰ کے تسلط سے پاک ہوں۔ حافظ حدیث علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

إن اعتياد اللغة موثر في العقل والخلق والدين تاثيرًا بيّنا

''کسی قوم کی زبان کا عادی ہونا اس کی عقل اور اخلاق اور دین میں کھلی ہوئی تاثیر رکھتا ہے۔''

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی نظر اس قدر سطحی ہوگئی ہے کہ اپنے بزرگوں کے برتے ہوئے مجرب اصول اور ان کے بتلائے ہوئے گُر ان کی سمجھ میں نہیں آتے، انہیں قرآن وحدیث کے ارشادات سنائے جاتے ہیں تو ان کے دل اس کے قبول کے لیے نہیں کھلتے۔ سلف صالح کے حکمت آموز کلمات و اصول بتلائے جاتے ہیں تو وہ ان کی نظر میں نہیں آتے۔ وہ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ عربی زبان کے رہے سہے آثار بھی مٹادیں۔ خطبے اردو زبان میں پڑھیں، عربی کا نام نہ آنے دیں۔ اس لیے آخر میں ہم خود اس قوم کے چند واقعات پیش کرتے ہیں جس کی کورانہ تقلید نے ہمارے بھائیوں کو مصائب وذلّت کا شکار بنا رکھا ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ ہندوستان میں باوجود اس اشاعت وعموم کے فیصدی کتنے آدمی ہیں جو انگریزی جانتے ہیں لیکن انگریزوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی کی بناء پر سارے دفتروں کے کاغذات، ریل اور ڈاک کے ٹکٹ اور تمام کاروبار انگریزی میں رکھے ہیں۔ اپنی ملکی زبان میں تمام علوم وفنون کا ماہر ہندوستانی، انگریزوں کے دفتروں میں ایسا پھرتا ہے جیسے کوئی اندھا پھرا کرتا ہے۔

انگریزوں کا مقصد..... آپ غور نہیں کرتے کہ آخر انگریزوں نے یہ طرز کیوں اختیار کیا اور ہندوستانیوں کو انگریزی سیکھنے پر مجبور کرنے سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر ذرا غور سے کام لو تو مقصد کھلا ہوا ہے کہ ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً ایک مذہبی فطرت رکھتے ہیں اور مذہب کسی وقت اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کسی کافر کا غلام بن جائے، بلکہ اسلام براہ راست اس کے لیے بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کافر کی وضع قطع اور اس کی معاشرت اختیار کرے اس لیے موجودہ حکومت نے یہ جال پھیلایا کہ اپنی زبان سیکھنے پر انہیں مجبور کر دیا۔ زبان سیکھتے ہی ان کی معاشرت خود بخود بدلی۔ معاشرت بدلنے کے ساتھ ہی انہیں قومی اور مذہبی عزت حقیر نظر آنے لگی اور انگریزی معاشرت کے طوق کو وہ اپنی زینت سمجھنے لگے۔

اندلس میں عربی زبان اور عربی معاشرت کو مٹانے کی کوشش.....اور یورپین نصاریٰ کی یہ پالیسی آج کی نہیں بلکہ زوال اندلس کے وقت جبکہ ممالک یورپ مسلمانوں کے ہاتھوں نے نکل کر نصاریٰ کے زیر نگیں ہو گئے اور نصاریٰ نے ہر طرح کے جبر و اکراہ سے یہ چاہا کہ رعیت کو اپنا ہم رنگ اور ہمنوا بنالیں مگر صدیوں کی پیہم کوششوں کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہاں کے تجربہ کار اس تفتیش میں لگے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ ایک کمیشن اس کے لیے بنایا گیا۔ اس کمیشن کی رپورٹ یہ ہوئی کہ ہم نے اگرچہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے لیکن اسلامی زبان (عربی) کے مدارس اور اس کی تعلیم و تعلم ابھی تک ہمارے ملک میں عام ہے۔ اسلامی معاشرت و تمدن رائج ہے۔ اسی نے سب کے قلوب کو مسخر کیا ہوا ہے اور ہم سے ان کا رشتہ نہیں جوڑتا جب تک کہ اسلامی زبان، اسلامی کتب اور اسلامی معاشرت کو ممالک یورپ سے ختم نہ کر دیا جائے گا ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ۱۵۰۱ء میں ان لوگوں کی یہ رپورٹ سامنے آئی، اسی وقت سے حکومتوں نے اپنا تمام تر زور اس پر خرچ کر دیا کہ یہ اسلامی نشانات یکسر ممالک یورپ سے فنا کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس سال قشتالہ و غرناطہ سے ایسے پکے مسلمانوں کو بے سروسامان نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا جن کے متعلق حکومت کو یقین تھا کہ یہ اپنی زبان و معاشرت کو نہ چھوڑیں گے۔

اسلامی کتب خانے نذر آتش.....۱۵۱۱ء میں کردنیا کسیمنس نے اسلامی قلمی کتابوں کو اطراف و جوانب سے جمع کر کے غرناطہ کے میدان میں ایک عظیم الشان انبار جمع کر دیا جو عالم انسان کے منتخب افراد کی صدیوں کی عرق ریزی و محنت کے نتائج اور علوم شریعت و حکمت اور فلسفہ و ریاضی کے علمی خزائن تھے، اس ناعاقبت اندیش ظالم نے یہ عظیم الشان انبار نذر آتش کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کسی اسلامی کتاب کا رکھنا قانونی جرم بنا دیا اور جس جگہ کوئی کتاب ہاتھ آئی اس کو ضبط کر لینے اور جلا دینے کا حکم عام کر دیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ پچاس سال تک حکومت کی یہ کوشش جاری رہی جب ممالک یورپ سے اسلامی کتابوں کو مٹایا جا سکا۔

آپ اس سے ایک طرف تو اس علوم اسلامی کی ہمہ گیری اور جاذبیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف یورپین نصاریٰ کی اوندھی ذہنیت، کینہ طبیعت اور اسلام دشمنی کا کچھ تخمینہ کر سکتے ہیں کہ یہ علوم و معارف کے خزائن جو ہر قوم کے لیے کام آنے والی چیز تھی اور ہزاروں فاضل علماء کی عمر بھر کی کمائی اور یکتا موتیوں سے زیادہ قیمتی خزائن تھے ان درندوں نے اس کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا۔ خود یورپ کے غیر متعصب عیسائی ان کے ظلم و ستم پر ماتم کر رہے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ مسلمانوں پر رحم کھاتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ خود ان کتابوں اور علوم کے محتاج تھے۔

۱۵۲۶ء میں فیلیپ امیر ہسپانیہ نے اپنی قلمرو میں یہ حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص کوئی عربی جملہ نہ بول سکے۔ جن لوگوں کے نام عربی ترکیب پر مشتمل ہیں ان کے نام بدل دیے جائیں اور جو لوگ اس کو منظور نہ کریں وہ اس کی قلمرو سے نکل جائیں۔ چنانچہ لاکھوں مسلمانوں کو اسی قانون کے ماتحت بے سروسامان جلاوطن کر دیا گیا۔

الغرض نصاریٰ اور مغربی اقوام اس گُر کو سمجھتے ہیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے اسلام اور عرب کا سکّہ لوگوں کے قلوب پر بٹھایا تھا اور اپنی کامیابی کا راز اس میں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی آثار و شعائر اور زبان و معاشرت کو فنا کر دیں۔

لیکن افسوس!!! اسلام کا نام لینے والے اب بھی اس کو نہیں سمجھتے، بلکہ جو کام فیلیب نے بزور قانون اپنی رعیّت سے کرایا تھا ہمارے سادہ لوح مسلمان وہ خود اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی اس کو انجام دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ وہ اتفاقی اس بلا میں پھین گئے ہوں، بلکہ اس سم قاتل کو آب حیواں اور اس مرض کی دوا سمجھ رہے ہیں۔

الٰہ العالمین! تو ہی مسلمانوں کو عقل دے کہ اب بھی اس حکمت کو سمجھ لیں اور غیروں کی زبان اور غیروں کی معاشرت اور غیروں کی وضع قطع سے اجتناب کر لیں، وہ اگر غیروں کے حاکمانہ اور ظالمانہ تسلط کو اپنے اوپر سے ہٹانے میں کسی قدر مجبور و معذور ہیں اور انگریزی وغیرہ کو ملازمت وغیرہ کی مجبوری سے نہیں چھوڑ سکتے تو اس میں کیا عذر ہے کہ اپنے قلب و دماغ اور اعضاء جوارح سے ان کی غلامی کے طوق و زنجیر اتار پھینکیں اور اپنے نجی معاملات میں انگریزی زبان بولنا چھوڑ دیں۔

ہماری یہ غرض نہیں کہ سرِ دست انگریزی زبان بولنا چھوڑ بیٹھیں اور جو عہدے اور منصب اس پر موقوف کر دئے گئے ہیں ان سے یکسو ہو جائیں، غرض یہ ہے کہ ایک تو بے ضرورت اور بلا مجبوری اس زبان کا استعمال اپنے کاروبار میں نہ کریں۔ دوسرے اپنے سیاسی مطالبات میں بھی ان کو شامل کریں کہ ملک کے سب کاروبار ملکی زبان میں ہوں۔

ملا کا احسان عظیم

قدرت اللہ شہاب جو فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے دورِ حکومت میں باعتماد بیوروکریٹ تھے اپنی خودنوشت داستان حیات ''شہاب نامہ'' کتاب میں لکھتے ہیں:

''لو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں ائرکنڈیشن میں بیٹھے ہوئے یہ بھول گئے کہ محلّہ کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں نرم گرم لحافوں میں لیٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہ ہوئی کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اُٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟ دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، دور ہو یا قریب، ہر زمانے میں شہر شہر گلی گلی قریہ قریہ چھوٹی بڑی کچی پکی مسجدیں اسی ایک ملّا کے دم سے آباد تھیں جو فقر و فاقہ سے مدارس میں پڑھا تھا اور دَر بدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دُور کہیں اللہ کے گھر میں سر چُھپا کر بیٹھ رہا تھا۔ اس کی پشت پر نہ کوئی فنڈ تھا نہ کوئی تحریک، اپنوں کی بے اعتنائی بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی، معاشرے کی کج اَدائی کے باوجود اُس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور نہ لباس کی مخصوص وَردی کو چھوڑا۔ اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اُس نے کہیں دین کی چنگاری دوشن رکھی۔ یہ مُلّا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت و برقرار رہے برصغیر کے مسلمان مُلّا کے اس اِحسان عظیم سے کس طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے جس نے کسی نہ کسی طرح اُن کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔''

(مراسلہ..... ماسٹر محمد عمر خان